

احمد فراز

شاعر کا تعارف:

احمد فراز کا اصلی نام سید احمد شاہ تھا۔ احمد فراز ادبی نام ہے اور فراز آپ کا تخلص ہے۔ احمد فراز کو شاعر کی حیثیت سے جو شہرت اپنی زندگی میں ملی، وہ اردو کے بہت کم شاعروں کو حاصل ہوئی۔ انہیں اردو غزل کے حوالے سے میر، غالب اور فیض کے سلسلے کی ایک کڑی قرار دیا جاسکتا ہے۔ رومانوی شاعری اور سوز و گداز سے بھری شاعری ان کی پہچان بنی۔ ان کی رومانوی شاعری نوجوانوں میں بہت مقبول ہوئی۔ ان کی رومانوی شاعری میں حسن و عشق اور محبت کے تمام جذبے، کیفیات، وسوسے، اضطراب اور اندیشے موجود ہیں۔ ان کی شاعری رومانوی جذبوں کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ ان کی شاعری محبت کے سچے جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔

رومانوی شاعری اور غم جاناں کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں غم دوراں، سماجی نا انصافی، دنیا کی بے ثباتی اور انسانوں کی بے حسی کی بھی تصویر کشی کی گئی ہے۔ انھوں نے ظلم و جبر اور آمریت کے خلاف بھی اپنی شاعری کو استعمال کیا جس کے نتیجے میں انھیں جلا وطنی بھی اختیار کرنی پڑی۔ ان کی شاعری میں احتجاجی اور مزاحمتی انداز بھی پایا جاتا ہے اس لیے ہم انھیں انقلابی شاعر بھی کہہ سکتے ہیں۔ فراز کا اسلوب بیاں سادہ ہے۔ ان کی شاعری میں روایت کی جدت کے ساتھ ساتھ غنائیت، نغمگی اور موسیقیت بھی پائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری میں انقلابی اور ترقی پسند سوچ کے ساتھ ساتھ اردو غزل کے روایتی موضوعات کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ فراز صرف رومانوی شاعر ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک ترقی پسند اور انقلابی شاعر بھی تھے۔

بقول جبار مفتی:

”میرے خیال میں میر، غالب، اور فیض کی شعری روایت کی ترویج کی ذمہ داری احمد فراز نے خوب نبھائی۔ احمد فراز کے بعد شعری روایت کا کیا مستقبل ہے اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔“

### احمد فراز: غزل نمبر (۱)

شعر نمبر (۱) تم بھی خفا ہو، لوگ بھی برہم ہیں دوستو اب ہو چلا یقین کہ برے ہم ہیں دوستو

تشریح: احمد فراز کا یہ شعر غمِ جاناں اور غمِ دوراں کا حسین امتزاج ہے۔ اس شعر میں شاعر نہایت خوبصورتی سے اس دکھ اور غم کا اظہار کر رہے ہیں کہ میں وہ شخص ہو جس سے اس کا محبوب بھی خفا ہے اور لوگ بھی برہم اور ناراض ہیں۔ اس لیے شاعر کہتے ہیں اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ میں ہی برا ہوں جس کی وجہ سے ہر کوئی مجھ سے خفا اور ناراض ہے۔ اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ سچ بولنے والوں اور حق بات کرنے والوں کو پسند نہیں کیا جاتا اور ان لوگوں کو پسند کیا جاتا ہے جو خوشامد کرتے ہیں اور ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔

شعر نمبر (۲) کس کو ہمارے حال سے نسبت ہے کیا کہیں آنکھیں تو دشمنوں کی بھی پرِ غم ہیں دوستو

تشریح: احمد فراز کا یہ شعر روایت میں جدت اور ندرت خیال کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اس شعر میں انھوں نے اپنے غموں، دکھوں اور برے حالات کا ذکر جدت اور ندرت کے ساتھ کیا ہے۔ شاعر اپنے خراب حالات کی انتہا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے حالات اتنے خراب ہیں کہ دوست اور دشمن دونوں میری بری حالت دیکھ کر رو رہے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا بھی مشکل ہو گیا ہے کہ ہمارے برے حالات کو دیکھ کر کون زیادہ دکھی ہو رہا ہے، دوست یا دشمن؟ عام طور پر اگر کسی شخص کے حالات برے ہوں تو دشمنوں کو خوشی محسوس ہوتی ہے اور دوستوں کو دکھ محسوس ہوتا ہے اور اس طرح دوست اور دشمن کا فرق تلاش کرنا آسان ہو جاتا ہے لیکن شاعر کہہ رہے ہیں کہ یہاں تو صورتِ حال ہی بالکل مختلف ہے اور دوست کیا دشمن بھی میری بری حالت دیکھ کر رو رہے ہیں۔

شعر نمبر (۳) اپنے سوا ہمارے نہ ہونے کا غم کسے اپنی تلاش میں تو ہمیں ہم ہیں دوستو

تشریح: اس شعر میں احمد فراز اس غم کا اظہار کر رہے ہیں کہ لوگوں کی نظروں میں ان کے شاعر ہونے کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور شاعر کو تسلیم نہ کرنے کا غم کسی کو بھی نہیں ہے، شاعر وہ سبب اور وجہ تلاش کرنا چاہتے ہیں کہ لوگ انھیں تسلیم کیوں نہیں کرتے۔ اس شعر کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاعر اپنی انا اور خودی کی تلاش کے غم میں ہیں۔ وہ اپنی ذات اور شخصیت کی حقیقت کی تلاش میں ہیں۔ وہ اپنے اندر جھانک کر خود کو تلاش کر رہے ہیں۔ اسے فلسفہ خودی بھی کہا جاتا اور یہ فلسفہ ہمیں اقبال کی شاعری میں دکھائی دیتا ہے۔

شعر نمبر (۴) کچھ آج شام ہی سے ہے دل بھی بُجھا بُجھا کچھ شہر کے چراغ بھی مدھم ہیں دوستو

تشریح: اس شعر میں احمد فراز اپنے دل کی اداسی اور افسردگی کا ذکر کرتے ہوئے انسانی فطرت اور نفسیات بھی بتا رہے ہیں کہ جب انسان کا دل اداس ہوتا ہے تو باہر کی دنیا میں اسے ہر طرف اداسی اور افسردگی دکھائی دیتی ہے۔ باہر کی دنیا کی رونقیں بھی مدھم ہو جاتی ہیں۔ انسان کی خوشی اور اداسی کا تعلق باہر کی چیزوں سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے دل سے ہوتا ہے۔ اس شعر میں چراغوں کی روشنی کو مدھم دکھا کر دل کی اداسی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

شعر نمبر (۵) اس شہر آرزو سے بھی باہر نکل چلو اب دل کی رونقیں بھی کوئی دم ہیں دوستو

تشریح: اس شعر میں فراز دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا ذکر رہے ہیں۔ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں یہ دنیا اور اس میں موجود تمام چیزیں فانی ہیں۔ انسان کی زندگی بہت مختصر ہے اس لیے انسان کو خواہشوں کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیے اور ان خواہشوں پر افسردہ اور اداس نہیں ہونا چاہیے جو پوری نہ ہو سکیں۔ آخر ایک دن انسان نے بھی اس دنیا سے چلے جانا ہے اور اس کے پاس وقت بہت کم ہے اس لیے انسان کو بھی خواہشوں کی دنیا سے باہر نکل جانا چاہیے۔

شعر نمبر (۶) سب کچھ سہی فراز پر اتنا ضرور ہے دُنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں دوستو

تشریح: اس شعر میں شاعر بتا رہے ہیں کہ مجھ جیسے لوگ کم ہیں جن سے اپنے بھی ناراض ہوں اور غیر بھی۔ وہ لوگ کم ہیں جنہیں اپنے نہ ہونے کا غم ہو اور وہ خود کی تلاش میں ہوں۔ جو میری طرح حساس ہوں، سچی محبت کرنے والے اور مخلص ہوں۔ دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھیں اور ظلم اور نا انصافی کے خلاف آواز اٹھائیں۔ حق اور سچ کا ساتھ دینے والے لوگ کم ہیں۔ اس شعر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فراز کو سماجی شعور بھی حاصل تھا۔ فراز کے مندرجہ ذیل شعر میں بھی سماجی شعور کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

”تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فراز دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا“

دنیا میں مخلص لوگوں اور دوستوں کی کمی ہے اور ہر کسی پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

### احمد فراز: غزل نمبر (۲)

شعر نمبر (۱) سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے ورنہ اتنے تو مرا سم تھے کہ آتے جاتے

تشریح: اس شعر میں شاعر اس غم اور دکھ کا اظہار کر رہے ہیں کہ ان کا محبوب ان سے ناراض ہو کر چلا گیا ہے اور اس نے ایک دم ہی سارے تعلقات ختم کر دیے ہیں۔ شاعر کہہ رہے ہیں کہ ہمارے تعلقات بہت پرانے تھے اور ہمارے درمیان ایسی بہت سی باتیں تھیں کہ جن کی بنا پر کبھی کبھی کسی بہانے سے ملاقات ہو سکتی تھی۔ مگر میرے محبوب نے کسی معمولی سی بات پر سارے رشتے اور تعلقات ختم کر دیے اور کبھی پلٹ کر پیچھے نہ دیکھا۔ اس شعر کا انداز روایتی ہے۔ اس میں غم جاناں کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

شعر نمبر (۲) شکوہِ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

تشریح: فراز کے اس شعر میں رجائیت (Optimism) کا پہلو، انقلابی اور ترقی پسند سوچ اور ایک آفاقی پیغام (Universal message) ہے۔ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں برے حالات کا رونا تو ہر کوئی روتا ہے لیکن ان برے حالات کو بہتر کرنے کے لیے کوشش کوئی نہیں کرتا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم برائیوں، ظلم اور نا انصافیوں کو ختم کرنے کے لیے کوئی عملی قدم اٹھائیں اور اپنے حصے کا کام کریں جو ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ وہ ہمیں امید دلا رہے ہیں کہ ایسا کرنے سے حالات بہتر کیے جاسکتے ہیں اور ہر طرح کے اندھیروں کو دور کیا جاسکتا ہے۔

شعر نمبر (۳) کتنا آساں تھا ترے ہجر میں مرنا جاناں پھر بھی اک عمر لگی جان سے جاتے جاتے

تشریح: اس شعر میں شاعر ہجر کا غم اور محبوب سے دور ہونے کی تکلیف بیان کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ محبوب کی جدائی کے دن بہت تکلیف دہ اور کٹھن ہوتے ہیں۔ ایک عاشق کے لیے موت کو گلے لگانا آسان ہوتا ہے کیوں کہ محبوب سے دوری اور ہجر کے غم میں وہ روز مرتا ہے۔ عاشق کو لگتا ہے کہ وہ محبوب کی دوری کا غم برداشت نہیں کر پائے گا اور فوراً مر جائے گا مگر شاعر اپنی بد قسمتی کے بارے میں کہتے ہیں کہ میرا محبوب تو مجھ دور ہو گیا مگر پھر بھی مجھے مرنے میں اتنی دیر لگی۔

شعر نمبر (۴) جشنِ مقتل ہی نہ برپا ہوا ورنہ ہم بھی پابجولاں ہی سہی، ناپچتے گاتے جاتے

تشریح: اس شعر میں فراز کا انداز فیض احمد فیض کی طرح ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حق کی خاطر اور کسی نیک مقصد کی خاطر اگر موت کو بھی گلے لگانا پڑ جاتا تو میں خوشی خوشی اور ناپچتا گاتا اس جگہ جاتا جہاں مجھے قتل کیا جاتا۔ میرے پاؤں میں بھلے بیڑیاں ہی کیوں نہ ہوتیں میں پھر بھی خوشی سے اور ناپچتے ہوئے مقتل میں جاتا اور اپنی جان قربان کر دیتا۔ اس شعر میں فراز نے عشق اور حق کی خاطر جان قربان کرنے کے جذبے کو پیش کیا ہے۔ اس شعر میں انقلابی لہجہ، باطل سے ٹکرانے کا جذبہ اور آمریت کے خلاف مزاحمتی انداز ہے۔ فراز کے مندرجہ ذیل اشعار میں بھی انقلابی اور آمریت کے خلاف احتجاجی اور مزاحمتی لہجہ ہے:

”میرا قلم نہیں کردار اس محافظ کا جو اپنے شہر کو محصور کر کے ناز کرے“

”میرا قلم تو امانت ہے میرے لوگوں کی میرا قلم تو عدالت ہے میرے ضمیر کی“

شعر نمبر (۵) اس کی وہ جانے اسے پاس وفا تھا کہ نہ تھا تم فراز اپنی طرف سے تو نبھاتے جاتے

تشریح: فراز کا یہ شعر عشق کے سچے جذبے کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس شعر میں شاعر اپنے محبوب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ میرا محبوب وفا اور محبت نبھانے والا تھا یا نہیں لیکن مجھے تو ایک سچے عاشق کی طرح خلوص اور وفاداری سے محبت کے اس رشتے کو نبھانا چاہیے۔ یہ ایک روایتی انداز کا شعر ہے جس میں محبوب کی بے وفائی اور سنگدلی کا ذکر ہے۔ اور دوسرے طرف ایک سچے اور مخلص عاشق کے وفاداری اور پاس وفا کا ذکر ہے۔

احمد فراز کی شاعری کی خصوصیات:

رومانوی انداز / عشقیہ شاعری:

رومانوی شاعری اور سوز و گداز سے بھری شاعری فراز کی پہچان بنی۔ ان کی رومانوی شاعری نوجوانوں میں بہت مقبول ہوئی۔ ان کی رومانوی شاعری میں غمِ جاناں، ہجر وصال، حسن و عشق اور محبت کے تمام جذبے، کیفیات، وسوسے، اضطراب اور اندیشے موجود ہیں۔ ان کی شاعری رومانوی جذبوں کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ ان کی شاعری محبت کے سچے جذبات کی ترجمانی کرتی ہے۔

”تم بھی خفا ہو، لوگ بھی برہم ہیں دوستو اب ہو چلا یقیں کہ برے ہم ہیں دوستو“

”سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے ورنہ اتنے تو مرا سم تھے کہ آتے جاتے“

احمد فراز نے مندرجہ بالا اشعار میں محبوب کی ناراضگی کا ذکر کیا ہے اور اس غم کا اظہار کر رہے ہیں کہ ان سے ہر کوئی ناراض اور خفا ہے۔ شاعر کو اس بات کا بھی دکھ اور افسوس ہے کہ ان کا محبوب سارے رشتے اور تعلقات توڑ کر چلا گیا ہے اور اس نے کبھی پلٹ کر بھی پیچھے نہ دیکھا۔

مندرجہ ذیل شعر میں شاعر اپنی شرمندگی اور بد قسمتی کا ذکر کر رہے ہیں کہ محبوب کی جدائی اور ہجر کے باوجود بھی وہ زندہ ہیں ورنہ عاشق تو محبوب سے دور ہو کر ایک لمحہ بھی جی نہیں سکتا لیکن یہ کیا عجیب بات ہے کہ انھیں محبوب کی جدائی کے بعد مرنے میں اتنا وقت لگا۔

”کتنا آساں تھا ترے ہجر میں مرنا جاناں پھر بھی اک عمر لگی جان سے جاتے جاتے“

مزاحمتی اور انقلابی شاعری:

رومانوی شاعری اور غم جاناں کے ساتھ ساتھ ان کی شاعری میں غم دوراں، سماجی نا انصافی، دنیا کی بے ثباتی اور انسانوں کی بے حسی کی بھی تصویر کشی کی گئی ہے۔ انھوں نے ظلم و جبر اور آمریت کے خلاف بھی اپنی شاعری کو استعمال کیا جس کے نتیجے میں انھیں جلا وطنی بھی اختیار کرنی پڑی۔ ان کی شاعری میں احتجاجی اور مزاحمتی انداز بھی پایا جاتا ہے اس لیے ہم انھیں انقلابی شاعر بھی کہہ سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل شعر میں فراز کہہ رہے ہیں کہ حق کی خاطر اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے میں موت کو بھی خوشی خوشی گلے لگا لیتا۔ میرے پاؤں میں بھلے بیڑیاں ہی کیوں نہ ہوتیں میں پھر بھی خوشی سے اور ناچتے ہوئے مقتل میں جاتا اور اپنی جان قربان کر دیتا۔ اس شعر میں فراز نے عشق اور حق کی خاطر جان قربان کرنے کے جذبے کو پیش کیا ہے۔ اس شعر میں انقلابی لہجہ، باطل سے ٹکرانے کا جذبہ اور آمریت کے خلاف مزاحمتی انداز ہے۔

”جشنِ مقتل ہی نہ برپا ہو اور نہ ہم بھی پابجولاں ہی سہی، ناچتے گاتے جاتے“

ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ شاعر آمریت اور ظلم کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں اور وہ ان ظالموں کی حمایت سے انکار کر رہے ہیں جو ملک کے شہریوں پر طاقت کا استعمال کرتے ہیں اور ان پر طرح طرح کی پابندیاں لگاتے ہیں۔

سماجی اور عصری شعور:

فراز کی شاعری کو صرف رومانوی یا کلاسیکی شاعری نہیں کہا جاسکتا ہے۔ ان کی شاعری میں سماجی شعور کا پہلو بھی کافی نمایاں ہے۔ انھوں نے اپنے شاعری میں سماجی مسائل کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ زمانے کے اتار چڑھاؤ سے واقف تھے۔ انھوں نے اپنی شاعری سے معاشرے کی اصلاح کی کوشش بھی کی ہے۔ مندرجہ ذیل شعر میں شاعر نے اس بات کا ذکر کیا ہے معاشرے میں مخلص اور اچھے لوگوں کی کمی ہے۔ وہ لوگ کم ہیں جو حق کی بات کرتے ہیں اور اس وجہ سے ہر کوئی ان سے ناراض ہو جاتا ہے۔

”سب کچھ سہی فراز پر اتنا ضرور ہے دُنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں دوستو“

غم دوراں:

فراز کی شاعری میں غم جاناں کے ساتھ ساتھ غم دوراں کی جھلک بھی دکھائی دیتے ہے۔ وہ معاشرتی نا انصافی اور ظلم و جبر پر دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ انسانوں کی بے حسی اور خود غرضی پر بھی افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔

مندرجہ ذیل شعر میں شاعر اس بات پر دکھ اور غم کا اظہار کر رہے ہیں کہ ہر کوئی ان سے ناراض ہے، ان کا محبوب اور زمانے والے سب ان سے ناراض اور خفا ہیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے معاشرے کے وہ لوگ جو مخلص ہوتے ہیں، حق اور سچ بات کرتے ہیں وہ سب کی آنکھوں میں کھٹکتے ہیں۔ ایسا دور آگیا ہے کہ جہاں صرف خوشامدی اور ہاں میں ہاں ملانے والے لوگوں کو پسند کیا جاتا ہے۔

”تم بھی خفا ہو، لوگ بھی برہم ہیں دوستو اب ہو چلا یقیں کہ برے ہم ہیں دوستو“

زبان و بیباں / اسلوب:

فراز کی شاعری کا اسلوب سادہ ہے اور دلکش ہے۔ فیض احمد فیض اور ناصر کاظمی کی طرح ان کے کلام میں غنائیت، نغمگی اور موسیقیت بھی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان شاعری نے بہت مقبولیت حاصل کی اور ملک کے مشہور گلوکاروں نے ان کے کلام کو گایا بھی ہے۔ خاص طور پر نوجوانوں میں ان کی موسیقیت سے بھرپور شاعری نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ فراز اپنی شاعری میں عام فہم اور روزمرہ زبان کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ اپنی بات قاری تک پہنچانے کے لیے سادہ اور پرکشش اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ فراز اپنی شاعری میں محاورات اور تراکیب کا بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً ”شکوہ ظلمت شب“، ”جشن مقتل“، ”پاس وفا جیسی تراکیب استعمال کر کے شعر میں حسن اور معانی پیدا کیے ہیں۔ ان کے اشعار میں محاورات کا استعمال بھی دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً آنکھیں پر نرم ہونا، جان سے جانا، دل بگھنا وغیرہ۔

لب و لہجہ:

احمد فراز اپنے لب و لہجہ کی وجہ سے اپنی غزلوں کے اشعار کا اثر بڑھا دیتے ہیں۔ نصاب میں شامل غزلوں میں فراز کے لب و لہجہ میں دھیمپن، افسوس اور شکایت دکھائی دیتی ہے۔

”سلسلے توڑ گیا وہ سبھی جاتے جاتے ورنہ اتنے تو مرا اسم تھے کہ آتے جاتے“



## تشبیہات اور استعارات کا استعمال:

فراز اپنی غزلوں میں تشبیہات اور استعارات جیسی شعری صنعتوں کا بہت خوب صورتی سے استعمال کرتے ہیں۔ تشبیہ اور استعارے کے استعمال سے اشعار کی خوب صورتی اور اثر بڑھ جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل شعر میں فراز نے شہر کے بے رونق ماحول کو چراغ کی مدھم روشنی سے تشبیہ دی ہے۔

کچھ آج شام ہی سے ہے دل بھی بُجھا بُجھا کچھ شہر کے چراغ بھی مدھم ہیں دوستو

اسی طرح ایک اور جگہ فراز نے اچھے کاموں کو ”شمع“ سے تشبیہ دی ہے۔

”شکوہِ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے“

اسی شعر میں شاعر ”شکوہِ ظلمتِ شب“ کا استعارہ استعمال کر کے سماجی نا انصافیوں کی بات کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ فراز نے ایک اور جگہ اپنی غزل میں ”پابجولاں“ کے استعارے سے جبر اور پابندی کو ظاہر کیا ہے۔

”جشنِ مقتل ہی نہ برپا ہو اور نہ ہم بھی پابجولاں ہی سہی، ناچتے گاتے جاتے“

## تصویر کشی:

تصویر کشی ایک مصورانہ صلاحیت ہے۔ جس طرح ایک مصور رنگوں سے تصویر بناتا ہے اسی طرح ایک شاعر یا مصنف اپنے تخیل اور لفظوں کی مدد سے اپنے خیالات اور احساسات کی تصویر کشی کرتا ہے۔ بڑے شاعروں کی طرح فراز کی شاعری میں بھی بھرپور تصویر کشی ملتی ہے۔ فراز نے اپنے مندرجہ ذیل شعر میں رعایتِ لفظی سے کام لیتے ہوئے شام، بجھا بجھا، چراغ، اور مدھم جیسے الفاظ کا بڑی ذہانت اور خوبصورتی سے استعمال کرتے ہوئے افسردگی اور ادا اسی بھرے ماحول کی منظر کشی اور تصویر کشی کی ہے۔

”کچھ آج شام ہی سے ہے دل بھی بُجھا بُجھا کچھ شہر کے چراغ بھی مدھم ہیں دوستو“

رجائیت:

فراز کے مندرجہ ذیل شعر میں رجائیت (Optimism) کا پہلو، انقلابی اور ترقی پسند سوچ اور ایک آفاقی پیغام (Universal message) ہے۔ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں برے حالات کا رونا تو ہر کوئی روتا ہے لیکن ان برے حالات کو بہتر کرنے کے لیے کوشش کوئی نہیں کرتا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم برائیوں، ظلم اور نا انصافیوں کو ختم کرنے کے لیے کوئی عملی قدم اٹھائیں اور اپنے حصے کا کام کریں جو ہم سب کی ذمہ داری ہے۔ وہ ہمیں امید دلا رہے ہیں کہ ایسا کرنے سے حالات بہتر کیے جاسکتے ہیں اور ہر طرح کے اندھیروں کو دور کیا جاسکتا ہے۔

”شکوہِ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے“